بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

النور انٹرنیشنل

اکتوبر 2016ء

ذوالحج / محرم ۱۴۳۷ھ

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، ختم نبوت کی داعی واحد جماعت، کا ترجمان

حضرت محمد مصطفی (صلی اللہ علیہ وسلم) آخری نبی ہیں اور اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، نہ نیا نہ پُرانا

حضرت مرزا غلام احمدؒ کا دعویٰ مجدد صد چاردہم کا تھا، نبوت کا نہیں

مدیران

شاہد عزیز

مسز سمیرا احمد

فہرست مضامین

۱: اعلانات و خبریں ۲

۲: کلامِ امام۔ (فرمودات حضرت مسیح موعودؑ) ۳

تبدیلی مذہب کے لئے کیا ضروری ہے؟

۳: خطبہ فرمودہ حضرت مولانا محمد علیؒ ۴

جماعت قادیان اور ہم

جلسہ سالانہ

اگر آپ جلسہ کے لئے نہیں جاسکتے تو مرکزی کی نشریات دیکھنا نہ بھولیں

عالمگیر (ذیلی مرکز)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

پتہ برائے خط وکتابت

15 Stanley Ave, Wembley, UK HA0 4JQ

www.virtualmosque.co.uk

ای میل: info@aaiil.uk

نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

www.virtualmosque.co.uk پر

پروگرام و اوقات

جمعہ-انگریزی 13:00

درس-بعد از جمعہ انگریزی 13:30

ماہانہ اجلاس-انگریزی-ہر ماہ پہلی اتوار 15:00

عیدین-انگریزی 11:00

پنجاب ریڈیو

عیدین-پنجابی 13:00 سکائی چینل نمبر 130

سکائپ

تقاریر اور مباحثہ - ہر اتوار 09:00

سکائپ آئی ڈی Lahori-Ahmadi

اعلانات و خبریں

مرکز

حضرت امیر سویڈن، جرمنی اور ہالینڈ کے کامیاب دوروں کے بعد واپس مرکز پہنچ چکے ہیں اور دیگر احباب کے ساتھ جلسہ سالانہ کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ دوستوں سے درخواست ہے کہ جلسہ کی کامیابی کے لئے عاجزانہ دعائیں جاری رکھیں۔

جلسہ سالانہ

حضرت مسیح موعودؑ نے قریباً ۱۲۵ سال پہلے سالانہ جلسہ کی روایت قائم کی تھی۔ اور آج تک ہماری جماعت اِس پر قائم ہے۔ لاہور میں انتہائی مشکل حالات میں بھی کبھی جلسہ منسوخ یا ملتوی نہیں کیا۔ اور یہ ہمارے مرکز کی ہمت اور ثابت قدمی کی ایک مثال ہے۔ جب تک ہم بحث مباحثہ کئے بغیر بانی سلسلہ کے احکامات پر عمل کرتے رہیں گے کامیاب ہوتے رہیں گے اور اگر ہم اُن کے احکامات کو نظر انداز کرنے لگیں گے تو ناکامی ہمارا مقدر بن جائے گی۔

جرمنی

دوستوں کو علم ہے کہ مرکزی انجمن ۱،۵۰۰،۰۰۰ یورو کے خرچہ سے برلن کی مسجد اور امام کی رہائش گاہ مرمت کروا رہی ہے۔ مرمتیں ۵ سال میں مکمل ہوں گی۔ اِس کام کا پہلا حصہ جس پر ۱۵۰،۰۰۰ خرچ ہوا کامیابی سے مکمل کر لیا گیا ہے۔ اِس میں سب سے اہم کام مسجد کی چھت کی مرمت تھی جو لیک کر رہی تھی۔ اگلے سال مرمتوں کے لئے ۵۰۰،۰۰۰ یورو کی ضرورت ہے۔

ہمارے بزرگوں نے جو قربانیاں دے کر یہ مسجد تعمیر کی تھی اُن کو یاد رکھیں۔ اَب جماعت کو آپ کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ ذرا سوچیں کہ اگر ہم اِس کی مرمتیں بھی نہ کروا سکے تو اگلے جہاں ہم اُنہیں کیا منہ دِکھائیں گے؟ حضرت مسیح موعودؑ کے صحیح جانشینوں یعنی، حضرت مولانا محمد علیؒ اور اُن کے رُفقاء نے ۱۹۱۴ء میں جماعت سے نکالے جانے کے بعد از سر نو جماعت کی تنظیم کی اور اِن بزرگوں نے چند سو روپوں سے کام شروع کیا۔ اور صرف ۹ سال بعد دُنیاوی لحاظ سے بے سر و سامانی کے عالم میں مسجد کی تعمیر کا بیڑا اُٹھا لیا۔ وہ مسجد جس کی مرمت پر پانچ سال لگیں گے وہ ۱۹۲۵ء میں مکمل بھی کر دی گئی۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے متعلق قرآن کہتا کہ نہ وہ غمگین ہوتے ہیں اور نہ خوفزدہ۔ آئیں اُٹھیں آج آپ کے بزرگوں کی روحیں آپ سے قربانیوں کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ آج ہم اپنے بزرگوں کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں لیکن سو سال بعد لوگ کیا سوچیں گے کہ کیا ہم واقعی اُن کے جانشین ہیں۔ اُس خاتون کو یاد کرو جس نے مسجد کی مالی مشکلات کے حل کے لئے باپ کو کہا کہ میرے جہیز کے لئے جو سرمایہ ہے وہ چندہ میں دے دو اور دو کپڑوں میں میرا نکاح کر دو۔ آخرت میں وہ آپ سے پوچھے گی کہ تم نے کیا کیا تو آپ اور میں کیا جواب دیں گے۔

ہم نے حال ہی میں اُن لوگوں کی یاد میں عید الاضحیٰ منائی ہے جنہوں نے خدا کے حکم پر اپنی ساری زندگی کی تمناؤں کو قربان کر دیا۔ اِس کا مقصد یہی ہے کہ ہر سال ہمیں بھی ایسی ہی قربانیاں دینے کی تحریک ہو۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ مومن اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔ سو دوستو اُٹھو اور اعلان کرو اِس مسجد کی مرمتوں کے لئے مال تو کیا ہمیں جان بھی قربان کرنی پڑی تو ہم دریغ نہ کریں گے اور اِس کی پرانی شان و شوکت بحال کر کے رہیں گے۔

انگلستان

ڈاکٹر زاہد عزیز اور شاہد عزیز سرینام اور گیانا کے کامیاب دورے سے واپس آ گئے ہیں۔

دسمبر میں شاہد عزیز ہندوستان میں نئی دلی اور جموں کا دورہ کریں گے۔ نئی دلی میں وہ جواہر لال نہرو اور جمعہ ملی اسلامیہ یونیورسٹیوں میں لکچر اور جماعت پر اعتراضات پر جوابات دیں گے۔ اِس کے بعد وہ جموں میں اُس علاقہ کی جماعتوں کے اجتماعی اجلاس میں حصہ لیں گے۔ اجلاس کے بعد پروگرام ہے کہ وہ بھدرواہ جائیں جہاں ہماری ایک بہت پُرانی جماعت ہے لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد کسی نے وہاں دورہ نہیں کیا۔ جموں سے بھدرواہ ایک پورے دِن کا سفر ہے لیکن موسم سرما کی برف اور دیگر حالات کی وجہ سے اِس سفر میں اور بھی مشکلات ہیں۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ حفاظت سے اُنہیں واپس لائے۔

جماعت انگلستان کے کئی ممبران، خاص طور پر اظہر الدین احمد

نے حضرت امیر کے جرمنی دورے کو کامیاب بنانے کے وقت اور پیسے کی بہت قربانی دی ہے۔ خدا اُنہیں جزا دے۔ آمین۔ جب بھی ضرورت پڑی ہے تو یو کے جماعت کے ممبران مثلاً خالد اقبال صاحب اور اُن کی اہلیہ اور ناصر احمد صاحب بھی مسجد سے تبلیغ اور امامت کے کاموں کے معاون رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ سب کو جزا دے۔

کلامِ امام

سچا مذہب شناخت کرنے کے لئے صرف تین باتوں کا دیکھنا ضروری ہے۔ (۱) اول یہ کہ اس مذہب میں خدا کی نسبت کیا تعلیم ہے۔ یعنی اس کی توحید اور قدرت اور علم اور کمال اور عظمت اور سزا اور رحمت اور دیگر لوازم اور خواص الوہیت کی نسبت کیا بیان ہے۔ کیونکہ اگر کوئی مذہب خدا کو واحد لاشریک قرار نہیں دیتا اور آسمان کے اجرام یا زمین کے عناصر یا کسی انسان یا اور چیزوں کو خدا جانتا ہے۔ یا خدا کے برابر ٹھہراتا ہے۔ اور ایسی پرستشوں سے منع نہیں کرتا۔ یا خدا کی قدرت کو ناقص خیال کرتا ہے۔ اور جہاں تک امکان قدرت ہے وہاں تک قدرت کے سلسلہ کو نہیں پہنچاتا۔ یا اس کے علم کو ناتمام جانتا ہے۔ یا اس کی قدیم عظمت کے برخلاف کوئی تعلیم دیتا ہے۔ یا سزا اور رحمت کے قانون میں افراط یا تفریط کی راہ لیتا ہے۔ یا اس کی رحمت عامہ جیسا کہ جسمانی طور پر محیط عالم ہے۔ اس کے برخلاف کسی خاص قوم سے خدا کا خاص تعلق اور روحانی نعمت کے وسائل کو مخصوص رکھتا ہے یا الوہیت کے خواص میں سے کسی خاصہ کے برخلاف بیان کرتا ہے۔ تو وہ مذہب خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ (۲) دوسرے طالب حق کیلئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس مذہب میں جس کو وہ پسند کرے۔ اس کے نفس کے بارے میں اور ایسا ہی عام طور پر انسانی چال چلن کے بارے میں کیا تعلیم ہے۔ کیا کوئی ایسی تعلیم تو نہیں جو انسانی حقوق کے باہمی رشتہ کو توڑتی ہو۔ یا انسان کو دیوثی کی طرف کھینچتی ہو۔ یا دیوثی امور کو مستلزم ہو۔ اور فطرتی حیا اور شرم کی مخالف ہو۔ اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو کہ جو خدا کے عام قانون قدرت کے مخالف پڑی ہو۔ اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو جس کی پابندی غیر ممکن یا منتج خطرات ہو اور نہ کوئی ضروری تعلیم جو مفاسد کے روکنے کے لئے اہم ہے۔ ترک کی گئی ہو۔ اور نیز یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کیا وہ تعلیم ایسے احکام سکھلاتی ہے یا نہیں کہ جو خدا کو عظیم الشان محسن قرار دیکر رشتہ محبت اس سے محکم کرتے ہوں اور تاریکی سے نور کی طرف لیجاتے ہوں اور غفلت سے حضور اور یادداشت کی طرف کھینچتے ہوں۔ (۳) تیسرے طالب حق کیلئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مذہب کو پسند کرے جس کا خدا ایک فرضی خدا نہ ہو۔ جو محض قصوں اور کہانیوں کے سہارے سے مانا گیا ہو۔ اور ایسا نہ ہو کہ صرف ایک مردہ سے مشابہت رکھتا ہو۔ کیونکہ اگر ایک مذہب کا خدا صرف ایک مردہ سے مشابہ ہے جس کا قبول کرنا محض اپنی خوش عقیدگی کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ اس نے اپنے تئیں آپ ظاہر کیا ہے۔ تو ایسے خدا کا ماننا گویا اس پر احسان کرنا ہے۔ اور جس خدا کی طاقتیں کچھ محسوس نہ ہوں اور اپنے زندہ ہونے کی علامات وہ آپ ظاہر نہ کرے۔ اس پر ایمان لانا بے فائدہ ہے اور ایسا خدا انسان کو پاک زندگی بخش نہیں سکتا اور نہ شبہات کی تاریکی سے باہر نکال سکتا ہے۔ اور ایک مردہ پرمیشر سے ایک زندہ بیل بہتر ہے جس سے کاشتکاری کر سکتے ہیں۔ پس اگر ایک شخص بے ایمانی اور دنیا پرستی پر جھکا ہوا نہ ہو تو وہ زندہ خدا کو ڈھونڈے گا۔ تا اس کا نفس پاک اور روشن ہو جائے۔ اور کسی ایسے مذہب پر راضی نہیں ہو گا جس میں زندہ خدا اپنا جلوہ قدرت نہیں دکھلاتا۔ اور اپنے جلال کی بھری ہوئی آواز سے تسلی نہیں بخشتا۔ یہ تین ضروری امر ہیں جو مذہب تبدیل کرنے والے کے لئے قابل غور ہیں۔ پس اگر کوئی شخص کسی مذہب کو ان تین معیاروں کی رو سے دوسرے مذاہب پر فائق اور غالب پاوے۔ تو اس کا فرض ہو گا کہ ایسے مذہب کو اختیار کرے۔ اور اس قدر تحقیق کے لئے نہ کسی بڑے پنڈت بننے کی حاجت ہے اور نہ کسی بڑے پادری بننے کی ضرورت ہے۔ اور خدا نے جیسا کہ جسمانی زندگی کے لئے جن جن چیزوں کی حاجت بخشی ہے۔ جیسے پانی، ہوا، آگ اور خوردنی چیزیں وہ ان کے لئے جو عمداً خودکشی نہ کرنا چاہیں۔ بکثرت پیدا کر رکھی ہیں۔ اسی طرح اس نے روحانی زندگی کے لئے اپنی ہدایت کے طریقوں کو انسانوں کے لئے بہت سہل و آسان کر دیا ہے۔ تا انسان اس مختصر عمر میں فوق الطاقت مشکلات میں نہ پڑیں۔ اور امور ثلثہ جو ہم نے اوپر ذکر کئے ہیں۔ ان کے لئے ایک عمر خرچ کرنے اور عالم فاضل بننے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر ایک حامی مذہب جو اپنے اصول شائع کرتا ہے۔ انہیں اصولوں سے پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ اس معیار کے موافق ہیں یا نہیں۔ اور اگر وہ اپنے اصولوں کے بیان کرنے میں کچھ جھوٹ بولے۔ یا کسی بات کو چھپاوے۔ تو وہ خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ علمی زمانہ ہے۔ اور صدہا پہلو ایسے ہیں جن سے حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اب جبکہ مذکورہ بالا بیانات سے بداہت ثابت ہے کہ تبدیلئی مذہب کے لئے ہر گز ایسی ضرورت نہیں کہ کسی دین کے تمام فروع اصول اور جزئیات کلیات معلوم کئے جائیں بلکہ امور متذکرہ بالا کی واقفیت کافی ہے۔

(اقتباس نسیم دعوت)

23 جنوری 1942ء

یزید اور امام حسینؓ۔ قادیانی اور ہم

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں: وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا۔ اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا۔ (18:45-46)

ترجمہ ”اور ان کے لئے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر (اس کی مثال) پانی کی طرح ہے جو ہم بادل سے برساتے ہیں تو اس کے ساتھ زمین کی روئید گی (بڑھ کر) مل جل جاتی ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہے اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک بدلے میں بہتر ہیں۔ اور امید کے لحاظ سے (بھی) بہت اچھی ہیں۔“

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ دنیا کی زندگی کی مثال یوں بیان فرمائی ہے کہ جس طرح ہم پانی آسمان سے برساتے ہیں تو اس کی وجہ سے زمین کی روئیدگی بڑی ترقی کرتی ہے۔ خوب لہلہاتی ہے۔ ایک دوسرے کے اوپر چڑھ جاتی ہے۔ پھر وہی لہلہاتی کھیتی ایک وقت آتا ہے کہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے۔ اتنی باریک کہ ہوائیں اسے اڑا کر لے جاتی ہیں وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کے اوپر قدرت والا اور مالک ہے۔ یہ جو ہم نے دنیا کی مثال دی ہے، یہ تمہارے مال اور تمہارے یہ جتھے یہ دنیا کی زندگی کی آرائش کا سامان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا سامان بھی کر رکھا ہے کہ انسانوں کی زندگی نری روئیدگی کی طرح ہی نہ ہو، کہ چُورا چُورا ہو کر اڑ گئی۔ اور اس کا کوئی نام ونشان نہ رہے۔ بلکہ باقی رہنے کا سامان بھی ہو۔ جس سے کوئی بہتر نتائج پیدا ہوں!

دو قسم کی زندگی: ان آیات میں انسانوں کی دو قسم کی زندگی کا ذکر ہے۔ ایک وہ جو عام طور پر ہمارے دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ بیرونی آرائش کے سامان ہیں۔ مال اور جتھے ہیں۔ جس سے ظاہر طور پر انسان کی شان اور عزت نظر آتی ہے۔ اور ایک اور زندگی ہے۔ جو بہتر نتائج رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کو اسی کی آرزو کرنی چاہئے۔ یہ مال اور جتھے ہمیشہ رہتے نہیں۔ بڑی بڑی ترقیات کرنے والے اور عروج تک پہنچے ہوئے لوگ، ایک وقت ہوتا ہے کہ انہی کا سکہ چلتا ہے، لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ تاریخ میں ان کے نام کے سوا کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔ وہ مال اور جتھے سب جاتے رہتے ہیں!

ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی: خدا فرماتا ہے کہ ایک اور زندگی بھی ہے۔ اس کی آرزو انسان کو کرنی چاہئے۔ وہ کیا ہے؟ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ وہ باقی رہنے والے نیک کام ہیں۔ اس زندگی سے انسان کو ایسا فائدہ اُٹھانا چاہیئے کہ یہ کوڑے کرکٹ کی مثال نہ ہو بلکہ باقی رہنے والی چیز ہو۔ اگرچہ اس دنیا میں انسان کی نظر مال اور اولاد پر ایسی فریفتہ ہوتی ہے کہ وہ دوسری زندگی کی طرف، جو باقی رہنے والی ہے، نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، تاہم دنیا کی تاریخ اسی پر شاہد ہے کہ مال اور جتھے پر فریفتہ رہنے والے لوگوں کی زندگی مٹ جاتی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کے اعمال والی زندگی دنیا میں بھی باقی رہتی ہے۔

یزید اور امام حسینؓ: ایک مثال اس بات کی، کہ مال اور اولاد پیچھے رہ جاتے ہیں اور اصل کام آنے والی چیز جو ساتھ جاتی ہے، وہ کوئی اور ہے، ان ایام محرم سے خاص تعلق رکھتی ہے۔ ایک طرف ایک صاحب مال اور جتھا رکھنے والا انسان ہے۔ اس کے پاس مال و دولت کی کوئی انتہاء نہیں۔ فوجوں کی کمی نہیں۔ کوئی چھوٹا سا جاگیر دار نہیں، نواب نہیں، چار ملکوں کا بادشاہ ہے۔ عرب، ایران، روم اور مصر چار سلطنتیں ان کے زیر نگیں ہیں۔ خلیفہ المسلمین کہلاتا ہے۔ بڑے بڑے صحابہؓ اور تابعینؒ بھی اس کی بیعت میں شامل ہو چکے ہیں۔ بڑے بڑے فضلاء بھی اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ یہ ہے یزید!

اور دوسری طرف ایک اکیلا انسان حضرت امام حسینؓ ہیں۔ جو اس خلیفہ کی بیعت سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے خلافت کا اہل نہیں سمجھتے۔ ان دونوں کا ایک چھوٹا سا مقابلہ ہوتا ہے۔ جس میں امام حسینؓ معہ چند رفقاء کے ایسے نرغہ میں آجاتے ہیں کہ کوئی بچاؤ کی صورت نہیں رہتی۔ پانی تک نہیں ملتا۔ اور اتنی فوج سامنے ہے کہ آن کی آن میں کچل کر رکھ دے۔ بچاؤ کی شرط صرف یہ ہے کہ بیعت کر لیں! اس شخص کی بیعت، جس کی بیعت کثیر حصہ ہی نہیں، سب مسلمان کر چکے ہیں۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ جہاں اتنے اچھے اچھے لوگوں نے بیعت کر لی ہے، ایک امام حسینؓ کا رک جانا موزوں نہ تھا۔ مگر اس وقت امام حسینؓ موت کو سامنے دیکھ کر بھی بیعت کے لئے ہاتھ آگے نہیں بڑھاتے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس شخص کو آپ خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ کوئی نقص اس میں تھا، جس کی وجہ سے آپ نے اس کی مخالفت کی۔ اور بیعت سے انکار کیا۔ موت کو قبول کیا مگر بیعت نہ

کی!

امام حسینؓ کی کامیابی اور یزید کی ناکامی: نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسینؓ اور آپ کے ساتھی شہید ہو گئے۔ اور چند عورتیں اور بچے گرفتار ہو کر یزید کے دربار میں پہنچائے گئے۔ کیا نظارہ ہے اس وقت؟ کون کہہ سکتا تھا کہ امام حسینؓ زندہ رہنے والے ہیں! اور یزید کا نام مٹ جائے گا۔ لیکن واقعات کو دیکھ لیجئے۔ آج اسلامی دنیا میں یزید کا نام کوئی بھی عزت سے نہیں لیتا۔ مگر امام حسینؓ کا نام قلوب کے اندر عزت و احترام کا مقام رکھتا ہے۔ علاوہ اس کے کہ ایک قوم آپ کی یادگار کو خاص طور پر مناتی ہے، عام لوگوں کے دلوں میں آپ کی عزت و احترام موجود ہے۔ کامیاب اور باقی رہنے والا امام حسینؓ ہے۔ ناکام اور مٹ جانے والا یزید ہے۔ نہ اس کی خلافت کسی کام آئی، نہ اس کی کثرت کسی کام آئی۔ اور امام حسینؓ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عزت دی، اتنی برکت عطا فرمائی کہ کروڑ در کروڑ آدمی عزت سے آپ کا نام لیتے ہیں!

صرف ایک بات جو انسان کے کام آنے والی ہے: توجس عمل کو خدا تعالیٰ نے وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ کہا ہے، یہ کوئی بڑا عظیم الشان عمل ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا۔ بلکہ کوئی بڑا عظیم الشان کام ہونا چاہیئے، جو انسان کے کیرکٹر کی خوبی کو ثابت کرے۔ کربلا کا واقعہ حضرت امام حسینؓ کے کیرکٹر کا امتحان تھا۔ بڑا مشکل ہوتا ہے جب انسان دیکھتا ہے کہ ایک شخص کے ساتھ ہو جانے سے، جس کے ساتھ باقی سب ہو گئے ہیں، جان بچتی ہے، بال بچہ محفوظ رہتا ہے، اور عزت ملتی ہے، تو اس سے رُکنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ امام حسینؓ نے اس مشکل کا مقابلہ کر کے بتا دیا کہ صرف ایک بات جو انسان کے کام آنے والی ہے، وہ باطل کے مقابلہ پر حق کا ساتھ دینا ہے۔ خواہ وہ باطل کتنا بھی بڑا نظر آئے! ہم لوگ جو کچھ تھوڑا بہت خدمت دین کا کام کرتے ہیں، اپنے مال اور جان کو اس کام پر لگاتے ہیں، میں سمجھتا ہوں وہ بھی وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ میں سے ہیں۔

اُخْرِجَ مِنْہُ الْیَزِیْدِیُّوْنَ کا الہام: آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ جو قادیان سے نکلے ہم کو بھی یزید کا نام دے دیا جاتا ہے۔ حضرت صاحب کا الہام ہے اُخْرِجَ مِنْہُ الْیَزِیْدِیُّوْنَ حضرت صاحب نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ قادیان میں یزیدی طبع لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ لیکن ہمارے قادیانی دوست اس کے معنی یوں کرتے ہیں کہ قادیان سے یزیدی نکالے گئے۔ گویا ہم یزیدی تھے۔ ہم کو انہوں نے قادیان سے نکال دیا۔ جو معنی حضرت مسیح موعود نے کئے وہ غلط ہو گئے! اور اس کے مقابل جو معنی قادیانی کرتے ہیں وہ درست ہیں!

یزیدی رنگ کہاں ہے؟ اس کو بھی جانے دیجئے۔ یزید کا رنگ کہاں نظر آتا ہے۔ اور امام حسینؓ کے رنگ میں کونسی جماعت رنگین ہے؟ یہ ایک موٹی بات ہے۔ یزید کون ہے؟ جو خلافت پر متمکن ہے۔ کثرت اس کے ساتھ ہے۔ اور دوسری طرف صرف چند لوگ ہیں۔ جو اس خلافت کے دعویدار کی بیعت اس لئے نہیں کرتے کہ وہ اسے اس کا اہل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ چالیس کروڑ مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے۔ قادیان سے نکلنا قبول کر لیتے ہیں، مگر بیعت نہیں کرتے۔ اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اگر اس الہام کو دونوں جماعتوں میں سے ایک پر لگانا ہے تو کس پر لگے گا؟

جلسہ سالانہ کی غرض اور قادیانی جماعت: افسوس ہے کہ ایسی ہی باتوں میں وقت اور روپیہ ضائع ہو رہا ہے۔ اور اصل کام، جس کو حضرت صاحب نے جماعت کی اصل غرض قرار دیا تھا، اس کو بھلا دیا گیا ہے یا اس کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ حضرت صاحب نے جلسہ سالانہ کی کیا غرض قرار دی تھی؟ اکٹھے ہو کر دعائیں کرو۔ تبلیغ اسلام کے وسائل سوچو۔ لیکن آج وہاں صرف کثرت پر فخر ہے! یہاں تک کہ جب ہم نے میاں صاحب کو دعوت دی کہ وہ ہمارے جلسہ میں آکر مسائل نبوت اور کفر و اسلام پر تقریر کریں، تو اس سے انکار اس بنا پر کیا گیا کہ اس سے ہمارے (لاہوری جماعت کے) جلسہ کی رونق بڑھ جائے گی۔ یعنی ہمارے جلسہ میں آدمی زیادہ نظر آئیں گے!

پھر جب ہم نے کہا کہ قادیان کے جلسہ میں مسئلہ نبوت اور کفر و اسلام پر ہمیں بھی کچھ کہنے کا موقعہ دیا جائے، تو اس کا کیا جواب دیا ہے؟ کہتے ہیں کہ در حقیقت یہ اس پانچ پاروں کی تفسیر کو دیکھ کر، جو میاں صاحب نے کی ہے، ایک جلن ان پیغامیوں کے دل میں پیدا ہوئی ہے، جس کی وجہ سے یہ نبوت وغیرہ کے جھگڑے انہوں نے شروع کر دیئے ہیں۔ دیکھئے! کس طرح تیس چالیس ہزار کے مجمع میں (جو ان کا دعویٰ ہے کہ قادیان کے جلسہ میں ہوتا ہے) یہ بیان کیا ہے کہ "یہ نبوت وغیرہ کے مسائل اور تقریریں کرنے کے جو سوال اُٹھائے جا رہے ہیں، یہ دراصل تفسیر ہی کی جلن کا اظہار ہے۔۔۔ گویا ان کی آمد پر اس کا اثر پڑا ہے اور اس وجہ سے وہ چیخ اُٹھے ہیں۔ یہ مقابلہ جواب ان کی طرف سے شروع ہوا ہے۔ یہ دراصل تفسیر کا ہے نبوت وغیرہ کا نہیں۔" (تقریر میاں محمود احمد صاحب بر موقعہ جلسہ سالانہ مندرجہ الفضل مورخہ 16 جنوری 1942ء) اور فرماتے ہیں کہ اول اس تفسیر کے متعلق خدا کی قبولیت کا اظہار ہوا ہے۔ کیونکہ نیک کام کی قبولیت کا ثبوت یہ ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت ہوتی ہے۔ سو ایک تو مولوی ثناء اللہ نے اس کی مخالفت کی اور دوسری پیغامیوں کی طرف سے بھی اس کی مخالفت شروع ہے۔ اور ایک

پیغامی مبلغ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ میں اپنی عاقبت کی درستی کے لئے اس تفسیر کا جواب لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

تفسیر کے متعلق میاں صاحب کی تحدی اور چیلنج: بات صرف اس قدر تھی کہ میاں صاحب اور ان کے مریدوں نے بار بار اس بات کا چیلنج کیا کہ اس تفسیر میں ایسے عجائبات ہیں کہ کسی کو آج تک سوجھے نہیں۔ پھر کہا کہ مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر اور اس تفسیر کو اکٹھا کر کے دونوں جماعتوں کے خرچ سے شائع کر دیا جائے۔ اس سے پتہ لگ جائے گا کہ خدا کی طرف سے کون سی ہے؟ حالانکہ اکٹھا شائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پتہ لگانے والے تو مرید ہی ہیں۔ سو وہ کہہ رہے ہیں اور یہی کہیں گے کہ میاں صاحب کی تفسیر میں ایسے عجائبات ہیں، جو ان کے کل دنیا سے افضل ہونے کی دلیل ہیں!

مولٰینا عبد الحق صاحب کا جواب: بہر حال اس پر مولوی عبد الحق صاحب نے لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتہ، جو میاں صاحب پر اس تفسیر کے عجائبات لے کر آیا، بیان القرآن پڑھ کر آیا تھا۔ کیونکہ میاں صاحب کی تفسیر کی بنیاد انہی باتوں پر ہے جو بیان القرآن میں موجود ہیں۔ ایک خیال ایک شخص پیدا کرتا ہے۔ اس کو دوسرا شخص جو لکھنے بیٹھے اسے زیادہ وسیع کر سکتا ہے، پھیلا سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کی بدولت دجّال یا جوج ماجوج وغیرہ اور دوسری باتوں کے متعلق بعض جو نئے خیالات معلوم ہوئے، ان خیالات کو لے کر ہم بڑی بڑی کتابیں لکھ سکتے اور لکھتے ہیں۔ تو اصل خیال پیدا کرنے والے تو حضرت صاحب ہی ہیں۔ میاں صاحب نے خود ہی اپنی تفسیر کو مقابلہ کا محل ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ ہر زمانہ میں لوگوں نے قرآن کی تفسیریں لکھی ہیں۔ اور کئی لکھی ہیں۔ ان چیزوں کو لے کر مقابلہ کرنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف پانچ پاروں کی تو میاں صاحب نے تفسیر لکھی ہے۔ اور وہ بھی اُردو میں۔ اور اس سے ہمارے انگریزی قرآن کی فروخت بند ہو گئی؟ وہ کیسے! یہ انہی عجائبات میں سے ایک ہے، جن کو تفسیر میں لکھنے کا انہیں دعوٰی ہے۔

گویا 26 سال جب سے نبوت کا جھگڑا پیدا ہوا ہے میاں صاحب کی ناکردہ تفسیر ہی کی جلن تھی۔ مگر کیا کوئی مرید اس جواب پر غور کرے گا؟ بعض وقت انہی باتوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو کچھ سنانا بے فائدہ ہے۔ لیکن ہم مایوس نہیں۔ وقتاً فوقتاً ان میں سے آدمی نکلتے رہتے ہیں جو حق کو ہماری طرف دیکھ کر ہمارے ساتھ آملتے ہیں۔

میں نے اگلے دن کہا تھا کہ جتنا ان بحثوں کو کم کیا جائے، ضروری ہے۔ خدا جانتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا بڑا وقت، محنت اور روپیہ ان بحثوں پر ضائع ہو رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جس قدر ممکن ہو، ان بحثوں میں کم پڑیں۔ مگر کیا کیا جائے؟ ایک طرف ایک روزانہ اخبار ہے، جس کی تیس اشاعتوں میں سے پچیس میں ضرور "پیغامیوں" کا ذکر ہوتا ہے۔ اس لئے کچھ نہ کچھ مجبور ہو کر ادھر سے بھی لکھنا پڑتا ہے!

مقابلہ میں آنے سے میاں صاحب کی گھبراہٹ: اگر ایک دفعہ میاں صاحب ہمت کر کے ان باتوں کا تصفیہ خود مقابل میں آکر کر لیتے، تو بہت سی ان باتوں پر اخباروں میں بحث کی ضرورت نہ رہتی۔ مگر وہ اس سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ عام مجمع میں دلائل کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں!

کونے کا پتھر" ہونے کا دعوٰی! حالانکہ دعوٰی تو اسی تقریر میں یوں موجود ہے کہ: ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہیں۔ اور کونے کا ایسا پتھر ہیں، کہ جو ہم پر گرے وہ بھی چکنا چور ہو جائے گا اور جس پر ہم گریں گے وہ بھی چکنا چور ہو جائے گا۔" اور آگے اس کی یہ تشریح کی ہے کہ: "میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ طاقت دی ہے کہ جو ہمیں اپنی باتیں سنانے آئے گا وہ بھی ہمارا شکار ہو جائے گا۔ اور جسے ہم اپنی سنائیں گے وہ بھی ہمارا شکار ہو گا۔" (الفضل 16 جنوری 1942ء) باوجود دعوٰی کے اس کونے کے پتھر کو جب ہم نے یہ کہا کہ آپ ہمیں اپنے دلائل سنائیں، تو بھی انکار! اور جب ہم نے یہ کہا کہ آپ ہم سے ہمارے دلائل سنیں تو بھی انکار! جب وہ جانتے تھے کہ اگر وہ ہمیں اپنی باتیں سنائیں گے تو ہم ان کا شکار ہو جائیں گے، تو پھر یہ شکار کیوں نہ انہوں نے کیا؟ اور پھر جب گھر بیٹھے انہیں شکار ملتا تھا، اور ہم کہتے تھے کہ اپنے جلسہ میں ہمیں تقریر کرنے دو، تو پھر بھی ڈر گئے!

قابلِ شرم طریق عمل: پہلے تو اور مختلف قسم کے بہانوں سے اس کو ٹالا۔ اور پھر جلسہ میں پوچھنا شروع کیا کہ "اگر آپ لوگ جلسہ کے موقعہ پر ان کی تقریر سُننا چاہیں تو بتا دیں میں کل کا دن انہیں دے سکتا ہوں اور ابھی تار دے کر بلا لیتا ہوں۔" (ایضاً) کیوں نہ ہو۔ محمد علی تو ان کا نوکر تھا کہ تار دے دی اور بلوا لیا۔ تین مہینہ سے میں کہہ رہا ہوں۔ اس پر کئی قسم کے عذر تراشے گئے۔ اور اب جلسہ میں اس طرح پوچھنے لگے، جس پر مریدوں سے کہلوا دیا "کہ ہم اُن کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے۔" اور مرید کیا کہتے۔ جب تین مہینے سے ان کا پیر یہ کہہ رہا تھا کہ میں قادیان کے جلسہ میں تمہیں کچھ بولنے کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر اس کو فخر سے لکھا ہے۔ لیکن فی

الواقعہ یہ شرم کی بات تھی کہ مریدوں نے یہ کہا کہ ہم ان کی بات ہی سننا نہیں چاہتے۔ حق تو یہ تھا کہ اس وقت مریدوں کو سمجھاتے کہ یہ اہل حق کا شیوہ نہیں، کہ وہ دوسرے کی بات نہ سنیں۔ اور پھر انہیں کہتے کہ ”جو ہمیں اپنی باتیں سنانے آئے گا وہ بھی ہمارا شکار ہو جائے گا۔“

یہ اس قوم کے حالات ہیں، جن کی وجہ سے میں فی الواقعہ سمجھتا ہوں کہ ہمارا وقت اور روپیہ ضائع ہو رہا ہے۔ دنیا حق کی پیاسی ہے۔ اس کی پیاس بجھانے کا سامان کرنا بہت ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان روکوں کو دور کرنے میں ہی رہ جائیں اور اصل کام نہ ہو سکے۔

ثالثوں کا مسئلہ: میں نے ان کو یہ بھی کہا تھا کہ ثالث مقرر کر کے بحث کر لیں، میرے ساتھ والے میرے مرید نہیں، آپ کے ساتھ والے آپ کے مرید ہیں۔ اس لئے میں نے کہا کہ چار آدمی آپ میرے ساتھیوں میں سے لے لیں۔ اور چار میں آپ کے مریدوں میں سے منتخب کر لوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ میری جماعت میں سے منافقین کو چن لیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ جن کو آپ منافق قرار دیں گے، ان کو میں چھوڑ دوں گا اور دوسرے چن لوں گا۔ ان کو منافق کہیں گے تو اور چن لوں گا۔ اور اسی طرح چنتا جاؤں گا جب تک آپ کا اطمینان نہ ہو جائے۔ ان آٹھ ثالثوں کی کثرت رائے کو دیکھ لیا جائے کہ کس کی طرف ہوتی ہے۔ اس سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو جائے گا کہ جس شخص نے فریق مقابل کو قائل کر لیا، اس کے دلائل زیادہ وزنی اور پختہ ہیں۔ اس کا جواب نہیں دیتے۔ پھر میں نے ایک اور سیدھی بات کہی کہ چند سوالات میں تجویز کر دیتا ہوں۔ چند آپ تجویز کر دیں۔ اور ان سوالوں پر محدود تحریری بحث دونوں اخباروں میں ہو جائے۔

جماعت قادیان کی ہتک کا سوال: اب اس جماعت کے ریزولیوشن آتے ہیں کہ تم نے جماعت قادیان کی ہتک کی ہے۔ حالانکہ جب انہوں نے کہا کہ قادیان آکر میری جماعت کے سامنے تقریر کریں۔ میں نے کہا کہ آپ کی جماعت جمع ہوتی ہے جلسہ سالانہ پر۔ قادیان کے رہنے والے آپ کی جماعت نہیں کہلا سکتے۔ ان میں سے بعض تو آپ کی ملازمتوں میں ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اور ضروریات کی وجہ سے آپ کے دست نگر ہیں۔ اس لئے ان کو میں کیا سناؤں؟ اور آپ نے دعوت جماعت کے سامنے سنانے کی دی تھی، اس پر بڑا جوش اور ناراضی پیدا کی گئی کہ تم نے ہماری جماعت کو منافق کہا ہے! حالانکہ منافقوں کا رونا تو خود میاں صاحب دن رات روتے ہیں۔ میں نے ایک امر واقعہ کا اظہار کیا تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح موعود پر بھی اعتراض ہے۔ حالانکہ حضرت صاحب کے زمانہ میں لوگ آپ کے لئے قربانیاں کر کے قادیان جاتے تھے۔ اور دین کی خاطر وہاں رہتے تھے۔ اس وقت قادیان سے ان کا دین وابستہ تھا۔ آج قادیان سے ان کی دنیا وابستہ ہے۔ میں ان کو بُرا نہیں کہتا بلکہ صرف اتنا کہتا ہوں کہ انہوں نے پیری مریدی کا بدترین نظارہ دکھایا ہے!

میاں صاحب کی رائے اپنی جماعت کے متعلق: اور خود پیر صاحب اس جماعت کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ اُن کی اپنی عبارت سُن لیجئے! ”میں ابھی جماعت کی کمزوری پر زیادہ کلام نہیں کرتا۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی جماعت میں وہ بلوغت نہیں آئی جب کہ عقل پختہ ہوتی ہے ابھی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی عیب بیان کیا جائے تو قطع نظر اس سے کہ وہ کہاں تک ہے اور کس حد تک ہے لوگ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ جس میں یہ عیب پایا جاتا ہے اس سے زیادہ ذلیل چیز اور کوئی نہیں اور اسے جس قدر جلد ممکن ہو مٹا دینا چاہیئے اور اگر کوئی خوبی بیان کی جائے تو بجائے اس کے کہ غور کریں کہ وہ خوبی کتنی اہمیت رکھتی ہے کہنے لگ جائیں گے کہ اس سے زیادہ مفید اور اچھی چیز کوئی نہیں۔ اس وقت ہماری جماعت کے دوستوں کی مثال اس جھولے کی سی ہے۔ جو میلوں پر لگایا جاتا ہے جب اس کا ایک سر نیچے جاتا ہے تو دوسرا اوپر کو اُٹھ جاتا ہے، ہماری جماعت کے لوگ وسطی مقام قبول کرنے کو کبھی تیار نہیں ہوتے اور بسا اوقات میں کسی چیز کے متعلق اپنی رائے اس لئے بیان نہیں کرتا کہ جماعت کی حالت ابھی بچوں کی سی ہے اگر کوئی نقص بیان کیا جائے تو کہہ اُٹھیں گے کہ یونہی مال برباد ہو رہا ہے اور اگر کوئی خوبی بیان کر دی تو کہیں گے بھلا کوئی عیب ہو سکتا ہے۔ کوئی کالا داغ تک نہیں۔ اور اس لئے کہ بعض کے لئے اس رنگ میں ٹھوکر کا موجب نہ ہو جاؤں، بسا اوقات میں اپنی رائے کو مخفی رکھتا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر عقل مند خلیفہ جس نے ربّانی ہونے کا مقام حاصل کیا ہو، ایسی ہی احتیاط کرے گا جب تک کہ جماعت میں بلوغت نہ آ جائے، اپنے ایسے خیالات کو اپنے تک ہی محدود رکھے گا۔ اس جذبہ کے ماتحت میں بہت دفعہ اپنی رائے کو چھپائے رکھتا ہوں۔“ (الفضل 9 جون 1932ء)

اگر میں یہ لفظ کہہ دیتا: یہ تو پیر صاحب کی رائے ہے۔ اب اگر میں یہ لفظ کہہ دیتا کہ ان کی جماعت بیوقوفوں کی ہے، تو دیکھئے کتنے ریزولیوشن آتے! مگر تعجب ہے کہ وہ خود اپنی جماعت کو بیوقوفوں کی جماعت کہہ رہے ہیں۔ اور پھر خود انہی کے پیر و مرشد بھی بنتے ہیں! یہ رائے کس زمانہ کی ہے۔ 1932ء کی۔ اس وقت جب جماعت میاں صاحب کی خلافت کے زمانہ میں جواں سال کی ہو چکی تھی، مگر حضرت مولوی نور الدین صاحب اور حضرت

مسیح موعود کا زمانہ بھی شامل کیا جائے تو جماعت کی عمر 42 سال ہو چکی تھی۔ اگر اس وقت تک بھی اس میں بلوغت نہیں آئی، تو کب اس کی توقع رکھی جائے؟ یہ بھی معلوم نہیں کہ اب بھی میاں صاحب کے نزدیک جماعت کی خامئ عقل دور ہوتی ہے یا نہیں!

اسلام کی بنیاد پر اثر: یہ تو ایک معذوری ہمارے گلے پڑی ہوئی ہے کہ ان لوگوں کے مقابل وقت اور روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اگر اتنا ہی اختلاف ہوتا کہ وہ حضرت صاحب کو نبی کہتے ہیں اور ہم مجدد، تو کوئی اتنی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن وہ اتنی بڑی بات کہتے ہیں جس کا اثر اسلام کی بنیاد پر پڑتا ہے۔ میں نے کئی مرتبہ سوال کیا۔ لیکن میاں صاحب کبھی صاف جواب نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا تو کیوں صاف نہیں کہتے کہ کلمہ منسوخ ہو گیا۔ وہ کیوں سامنے آ کر بات نہیں کرتے؟ ان کو ڈر ہے کہ ہم تو اس بات کو سب سے پہلے صاف کرائیں گے کہ آج کوئی شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کہیں ہو سکتا ہے، تو یہ عقیدہ غلط ہو گیا کہ حضرت مسیح موعود پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اگر کہیں، نہیں ہو سکتا تو اسلام کی بنیاد بدل گئی اور نیا دین بن گیا! مقابلہ تفسیر کا کھیل: غرض جتنا انسان سمجھ سکتا تھا، جتنا سوچ سکتا تھا، مختلف پیرایوں میں ان کو سمجھایا۔ لیکن وہ کسی بات کی طرف نہیں آتے۔ اور اب یہ کھیل ہو رہا ہے کہ کون شخص اچھی تفسیر لکھ سکتا ہے؟ کس کی تفسیر کبیر ہے؟ کس میں نکات زیادہ ہیں؟ کونسی تفسیر ہے جس میں کوئی اچھے نکات نہیں۔ اور کوئی اچھی بات نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس جماعت کی ذہنیت ہی بدل گئی ہے۔ انہوں نے اس کو کھیل بنایا ہوا ہے کہ مقابلہ کیا جائے کہ کس کی تفسیر اچھی ہے؟ اور پھر اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ واقعات کی طرف آئیں تو وہاں فیصلہ بھی آسان ہو جاتا ہے، دیکھنا یہ چاہئے کہ قرآن کی خدمت کس نے زیادہ کی، اگر بالفرض ہم سے کوئی غلطی بھی ہو گئی ہو، اگر ہماری تفسیر میں اتنے نکات نہ ہوں، جتنے میاں صاحب کی تفسیر میں ہیں، تو بھی ایک چیز ہے جو دنیا میں پہنچ گئی۔ قرآن دنیا میں پہنچ گیا اور کئی زبانوں میں پہنچ گیا۔ بہر حال ہمارا اصل کام تو تھا قرآن کو دنیا میں پہنچانا۔ نہ یہ کہ آپس میں بیٹھ کر نکات کا مقابلہ کرتے رہیں اور ایک کھیل میں لگ جائیں۔ ان کے مرید کہتے ہیں ہماری تفسیر میں نکات زیادہ ہیں۔ اور ہماری جماعت کہتی رہے ہمارے نکات زیادہ ہیں! خدا کرے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف سے توجہ ہٹ کر ان کی توجہ بھی اصل کام کی طرف ہو۔

(پیغام صلح 10 فروری 1942ء)

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

1. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان
2. آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔ "اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا"، "جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"، "میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔"
3. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔
4. بمطابق فرمان نبوی حضرت ﷺ کے بعد مجددین آئیں گے۔ اِس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونو انبیاء
5. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
6. ہر ایک شخص جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے۔ خواہ وہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔
7. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: "اور ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔"

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔